 

16-05-2016

خوش فہمی

مفتی منیب الرحمٰن

انسان کو جس طرح جسمانی امراض کی طرح نفسانی امراض بھی لاحق ہوتے ہیں، جیسے تکبر، حرص وطمع، بغض وکینہ اور خوش فہمی وغیرہ۔ تکبّر واستکبار کے لفظی معنی ہیں: اپنے آپ کو بڑا سمجھنا، یہ شیطانی خصلت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اُس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافر ہوگیا، (البقرہ:34)''۔ شیخ سعدی نے کہا ہے:

تکبر عزازیل راخوار کرد بزندانِ لعنت گرفتار کرد

ترجمہ: ''تکبر نے شیطان کو ذلیل کردیا اور وہ ہمیشہ کے لیے لعنت کا ہدف بنا''۔ یہ قرآن کی اس آیت کا ترجمہ ہے: ''(اللہ نے)فرمایا: تو جنت سے نکل جا، بے شک تو راندۂ درگاہ ہے اور بے شک تجھ پر قیامت تک لعنت ہے، (الحجر:35)''۔ حدیث میں تکبر کے معنی بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تکبر حق کے انکار اور لوگوں کو حقیر جاننے کا نام ہے، (مسلم: 91)''۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو اللہ کے لیے تواضع کرے گا، اللہ اُسے سرفراز فرمائے گا، وہ اپنے دل میں اپنے آپ کو معمولی سمجھے گا اور لوگوں کی نظر میں عظیم ہوگا اور جو تکبر کرے گا، اللہ اُسے ذلیل کردے گا، سو وہ لوگوں کی نظروں میں حقیر ہوگا اور اپنے دل میں اپنے آپ کو بڑا سمجھے گا، (بیہقی:8140)''۔ حضرت عبداللہ دعا مانگا کرتے تھے: ''اے اللہ! تو مجھے اپنی نظروں میں حقیر بنا اور لوگوں کی نظروں میں معظّم بنا، (مُصنّف ابن ابی شیبہ: 29528)''۔ امام رازی لکھتے ہیں: ''ایک دفعہ جبریلِ امین بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے کہ حضرت ابوذر غفاری کو انہوں نے آتے ہوئے دیکھا اور کہا: کیا یہ آنے والے ابوذر ہیں؟۔ رسول اللہ ﷺ نے جبریلِ امین سے پوچھا: کیا آپ اسے جانتے ہیں؟، جبریل امین نے عرض کی: یہ ہمارے ہاں یہاں سے زیادہ مشہور ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان کی عالَم بالا میں اس مقبولیت کا سبب کیا ہے؟، جبریل امین نے عرض کی: ایک تو یہ کہ یہ اپنے آپ کو اپنے دل میں کمتر سمجھتے ہیں اور دوسرا یہ کہ سورۂ اخلاص بہت زیادہ پڑھتے ہیں، (التفسیر الکبیر، ج:32، ص:356)''۔

ان نفسانی عوارض میں ایک خوش فہمی ہے، اسے ہم انگریزی میں Overestimation سے تعبیر کرتے ہیں، یعنی اپنے آپ کو اپنے حقیقی مقام سے بہت بالاتر سمجھنا اور دوسروں کو اپنے مقابل حقیر جاننا۔ یہ اُن لوگوں کا شِعار ہے جو اپنے مقام کا تعیّن خود کرتے ہیں، حالانکہ یہ کسی غیر جانب دار فرد یا ادارے کا کام ہوتا ہے۔ معاشرے میں عزت وتکریم کا مدار انسان کے علم اور تقوے پر ہوتا ہے اور ہمارے سیاسی نظام میں یہ فیصلہ قومی انتخابات کے موقع پر عوام کرتے ہیں، وہ جسے چاہیں تختِ اقتدار پر بٹھادیں اور جسے چاہیں معزول کردیں، بشرطیکہ انتخابات منصفانہ، شفاف اور غیر جانبدارانہ ہوں۔ اپنی تکریم کے لیے دوسروں کی تذلیل وتحقیر لازمی نہیں ہے، ہمیں اپنے سیاسی کلچر میں اَقدار کو فروغ دینا چاہیے، ایک دوسرے کی تذلیل سے لطف اندوز ہونا اچھا شِعار نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکہف کی بارہ آیات میں ماضی کی امتوں کے دو اشخاص کے حالات اور مکالمہ تفصیل سے بیان فرمایا ہے، اُن میں سے ایک شخص کے پاس دولت کی فراوانی تھی اور وہ مالی اور افرادی قوت پر بے انتہا نازاں تھا، اِن نعمتوں کی پائیداری پر اُسے بے انتہا یقین تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وہ اپنے باغ میں اس حال میں داخل ہوا کہ وہ اپنے آپ پر ظلم کرنے والا تھا، اُس نے کہا: مجھے یقین ہے کہ یہ (باغ) کبھی تباہ و برباد نہیں ہوگا اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر (بالفرض) مجھے اپنے رب کی طرف لوٹایا بھی گیا تو میں آخرت میں اس سے بھی بہتر مقام پاؤں گا، (الکہف: 35-36)''۔ اور پھر وہ وقت آیا کہ سب کچھ تباہ ہو گیا اور وہ کفِ افسوس ملتا رہ گیا، بجز ندامت کے اُس کے پاس کچھ نہ رہا۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور اگر ہم اس کو تکلیف پہنچنے کے بعد رحمت کا ذائقہ چکھائیں، تو وہ ضرور یہ کہے گا: میں بہر صورت اس کا حق دار تھا اور مجھے گمان نہیں کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر میں اپنے رب کے پاس لوٹایا بھی گیا تو بے شک اُس کے پاس میرے لیے خیر ہی ہوگی، (حم السجدہ: 50)''۔

الغرض انسان کی ایک خوش فہمی یہ بھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی راحتوں اور نعمتوں کو اللہ کا انعام، اپنا استحقاق اور اس کی بارگاہ میں اپنی محبوبیت کی دلیل سمجھ لیتا ہے، خواہ وہ مال و دولت یا جاہ و اقتدار کسی بھی صورت میں ہوں۔ حالانکہ ضروری نہیں کہ دنیا کی نعمتیں کسی کے لیے ہر صورت میں انعام ہی ہوں، یہ کبھی امتحان اور آزمائش کے لیے بھی ہوتی ہیں، کاش کہ انسان پر یہ حقیقت آشکار ہو جائے۔

انسان کی دوسری نفسانی کمزوری یہ ہے کہ وہ ان نعمتوں کو لازوال اور دائمی سمجھنے لگتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ یہ عارضی اور زوال پذیر ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''دنیا کی زندگی کی مثال اُس پانی کی طرح ہے، جس کو ہم نے آسمان سے نازل کیا تو اس کی وجہ سے زمین کی وہ پیداوار خوب گھنی ہوگئی، جس کو انسان اور جانور سب کھاتے ہیں، یہاں تک کہ عین اُس وقت جب زمین نے اپنا حسن لے لیا اور وہ آراستہ ہوگئی اور اُس کے مالکوں نے سمجھا کہ اب یہ ہماری دسترس میں ہے کہ (اچانک) رات یا دن کو (کسی وقت) اُن پر ہمارا عذاب آگیا، پس ہم نے اُن کھیتوں کو کٹا ہوا ڈھیر بنا دیا، گویا کل یہاں کچھ تھا ہی نہیں (سو) غور و فکر کرنے والوں کے لیے ہم اسی طرح اپنی آیتوں کو وضاحت سے بیان کرتے ہیں، (یونس: 24)''۔

سو حقیقت پسندی اچھا شعار ہے، انسان کو اپنا اور دوسروں کا تجزیہ، اپنی اور دوسروں کی صلاحیتوں، استعدادِ کار اور مقبولیت کا جائزہ منصفانہ انداز میں لینا چاہیے، ورنہ بعد میں مایوسی ہوتی ہے اور مایوسی کا غلبہ بھی تباہ کن ہوتا ہے۔ شیخ سعدی نے اس کیفیت کو فارسی اور عربی کے دو شعروں میں بیان کیا ہے:

وقت ضرورت چو نماند گریز   دست بگیرد سر شمشیر تیز

اِذَا يَئِسَ الْاِنْسَانُ طَالَ لِسَانُهٗ   كَسِنَّوْرٍ مَغْلُوْبٍ يَصُوْلُ عَلَى الْكَلْبِ

''یعنی جب مصیبت سے گریز کی کوئی صورت باقی نہ رہے تو کمزور انسان بھی لازمی طور پر اپنے دفاع کے لیے تیز دھار تلوار کو ہاتھ میں اٹھا لیتا ہے۔ جب انسان ناامید ہو جاتا ہے تو اس کی زبان دراز ہو جاتی ہے، جیسے جب کتا بلی کا تعاقب کر رہا ہو اور نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ وہ اچانک اُسے اپنے منہ میں پکڑ لے گا، تو آخری حیلے کے طور پر وہ واپس پلٹ کر کتے پر اس انداز سے غرّاتی ہے کہ جیسے اس پر حملہ کر رہی ہو اور کتا ایک لمحے کے لیے رُک جاتا ہے اور اس کی رفتار کا بہاؤ (Rhythm) ٹوٹ جاتا ہے اور وہ اُسی لمحے سے فائدہ اٹھا کر بلی دائیں بائیں نکل جاتی ہے''۔

ہمارے سیاست دانوں کا بے قابو ہو جانا اسی کیفیت کا آئینہ دار ہے۔ تمام افراد اور جماعتیں اپنے آپ کو متقی و طاہر اور پارسا سمجھتے ہیں اور اپنے مدِ مقابل فریق کو پاپی اور گناہ گار، حالانکہ خرابیاں کم و بیش سب میں ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ کسی کا گراف نسبتاً کم ہے اور کسی کا بہت زیادہ ہے اور یہ بھی مسلّم ہے کہ "جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے"۔ جس جو جتنا صاحبِ اختیار ہے اس کی مسئولیت بھی اتنی ہی زیادہ ہے اور یقیناً وزیرِ اعظم کی مسئولیت سب سے زیادہ ہے، کیونکہ وہ سب سے بااختیار منصب پر وقفوں کے ساتھ ایک عرصے سے فائز رہے ہیں۔

لیکن معذرت کے ساتھ یہ کہنے کی اجازت دیجیے کہ نظام کی اصلاح اور احتساب کے کسی جامع و مربوط اصل چیلنج کو کوئی اہمیت دینے کے لیے کوئی بھی تیار نہیں ہے، کیونکہ ہمارے سیاسی اکھاڑے میں بہت کم افراد پارسائی کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ اس لیے یہ اندیشہ ہے کہ کہیں یہ بہتری کا موقع بھی شور و غوغا کی نذر ہو جائے اور انجامِ کار قوم کے ہاتھ خالی رہ جائیں۔ اس پورے عرصے میں مجھے اس موضوع پر صرف پروفیسر خورشید احمد کی جامع تحریر نظر آئی جو دو بڑے کالموں میں ہے۔ انہوں نے پورے نظام کی اصلاح کی بات کی ہے اور یہ بھی تجویز دی ہے کہ دائرہ سب پر محیط کیا جائے۔ ہماری صحافت بھی کم و بیش دو کیمپوں میں منقسم ہے اور سب اپنے اپنے کیمپ میں مورچہ زن ہیں اور فریقِ مخالف پر بیانی اور تحریری گولہ باری کر رہے ہیں۔ اس سے بظاہر کسی مثبت نتیجے کی توقع عبث ہے، سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کچھ فیصلے مقدر ہو چکے ہوں تو انہیں کوئی ٹال نہیں سکتا۔

کاش کہ جناب سراج الحق اپنی انتخابی مصروفیات سے وقت نکال کر پروفیسر خورشید کی تحریر کو خالی الذہن ہو کر پڑھیں، کیونکہ اگر خود جماعتِ اسلامی کے اندر ان کی فکر کے صائب ہونے کا اعتبار نہیں ہے تو اس ضعیف العمری اور بیماری کی حالت میں ان کی یہ فکری مشقت بے سود رہے گی۔ لیکن یہ تو نہیں ہے کہ جماعتِ اسلامی پاکستان اسلامک فرنٹ کے دور کی طرف واپس پلٹ گئی ہے، جو ان کے فکری انتشار کا دور تھا، جس سے بعد میں جناب قاضی حسین احمد نے رجعت کر لی۔ سرد و گرم چشیدہ پختہ سال جوان جناب لیاقت بلوچ بھی سراج الحق صاحب کی قیادت میں چائے کی پیالی میں طوفان برپا کرنے اور اس سے انقلاب کشید کرنے کے لیے تگ و دو کرتے رہتے ہیں، حالانکہ جماعت نے تو انقلابی ہونے کا دعویٰ کبھی نہیں کیا اور وہ بہتر نظام کے تسلسل کی حامی رہی ہے، یہی وجہ ہے کہ جنرل یحییٰ خان اور جنرل ضیاء الحق کے ادوار میں انہیں بہت سی حکومتوں کا سامنا کرنا پڑا اور یہ طعنے آج تک ان کا تعاقب کرتے رہتے ہیں۔ جماعتِ اسلامی پاکستان کی واحد سیاسی جماعت ہے جس کے نظم کی مختلف سطحیں (Cadres) ہیں، اس کی مجالسِ شوریٰ و عاملہ بظاہر فعال ہیں، لیکن ان کی انتخابی دانش کی راستی کے بارے میں ذہن میں خدشات ہیں، اللہ کرے کہ ہمارے خدشات غلط ثابت ہوں۔

سیاست فریضۂ نبوت ہے، اسلام نے اسے تقدس عطا کیا ہے، لیکن زوال کے اس دور میں ہمارے ہاں سیاست گالی بن گئی ہے، اسے فریب، دروغ گوئی، موقع پرستی اور عیاری کے ہم معنی سمجھا گیا ہے یا بنا دیا گیا ہے۔ لیکن ہمیں اسی کے ساتھ جینا ہے۔ بہت سے دوست مدِ مقابل کے لیے بے قرار رہتے ہیں، وہ اس کے قرب سے ہو کر گزر چکے ہیں اور اس کی یادیں بھی انہیں تلخ اور اذیت ناک ہیں۔ بہتر ہے کہ موہوم کامیابی کی امید پر دستیاب اوقات کو خوش فہمی کی نذر نہ کیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ ہماری دانش بہت سوں کی رائے میں محلِ نظر ہو، لیکن اس پر غور کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسے قبول کرنا یا رد کرنا ہر ایک کے اختیار میں ہے۔

(روزنامہ دنیا 16 مئی 2016ء)